ڈاکٹر نجم الا سلام :

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا
مقالۂ تحقیق "سید حسن غزنوی"
(منہاج تحقیق کے حوالے سے)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی علمی زندگی نصف صدی سے بھی زیادہ کو محیط ہے۔ بفضلہ یہ ان کی عمر طبیعی کا ۷۹ واں سال ہے (تاریخ پیدائش ۱۲- اگست ۱۹۱۲ء)۔ وہ ایک کثیرالجہات کثیرالتصانیف محقق و مصنف ہیں، مگر وہ بنیادی طور پر فارسی زبان و ادب کے محقق ہیں، اور وقت کے بہترین فضلاؑ سے انھوں نے فارسی زبان و ادب کا فیض پایا ہے۔ چنانچہ اپنی تحقیقی سرگرمیوں کا آغاز بھی انھوں نے فارسی تحقیق ہی سے کیا تھا۔

فارسی شعراؑ کے احوال و آثار، اور ان کے کلام سے ماخوذ تاریخی مواد پر ڈاکٹر صاحب کا بیشتر کام ان تین کتابوں میں آگیا ہے :

۱- سید حسن غزنوی

۲- چند فارسی شعراؑ

۳- تاریخ بہرام شاہ غزنوی (انگریزی)

ایک طور سے یہ کام باہم دگر مربوط کہا جاسکتا ہے کہ ایک ہی زمانے کے افراد و احوال زیر تحقیق ہیں۔ مآخذ مشترک اور مربوط ہیں، اور پھر یہ کہ منہاج تحقیق بھی ایک ہے جو یکساں، محکم طور پر روبہ عمل رہی ہے۔

اس میں بنیادی حیثیت "سید حسن غزنوی" کو حاصل ہے جو ڈاکٹر صاحب کا مقالۂ تحقیق برائے پی ایچ ڈی ہے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم از راہ قدر دانی اسے ۱۹۴۸-۵۰ میں اورینٹل کالج میگزین میں تمام و کمال شائع کرچکے ہیں۔ بقیہ کام (چند فارسی شعراء، تاریخ بہرام شاہ غزنوی) اسی کے ذیل میں وجود میں آیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے "چند فارسی شعراء" کے پیش لفظ میں خود صراحت کی ہے:

"راقم الحروف نے سید حسن غزنوی م ۵۵۶ھ پر کام شروع کیا تھا اور اس سلسلے میں برصغیر پاک و ہند کے اکثر کتب خانوں کی سیر کی تھی۔ پیرس اور لندن سے بھی بعض مخطوطات کے عکس حاصل کیے تھے۔ اس طرح چھٹی صدی ہجری کے خاص خاص شعراء کا کلام بھی زیر مطالعہ رہا۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان شعراء پر مقالے لکھے جو رسالہ معارف اعظم گڑھ، اورینٹل کالج میگزین لاہور اور دوسرے رسائل میں شائع ہوئے اور ان میں سے بعض تو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (اردو) میں بھی شامل ہوگئے ہیں۔"

ان شعراء کے مطالعے ہی سے تاریخ بہرام شاہ غزنوی (انگریزی) بھی وجود میں آئی۔ غرض کہ یہ تینوں کتابیں ڈاکٹر صاحب کے علمی کاموں میں ایک خاص اور نمایاں درجہ رکھتی ہیں، اور ان کے منہاج تحقیق کی عمدہ طور پر آئینہ دار ہیں۔ ان کے جائزے اور مطالعے سے طالبان تحقیق کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے، اور تحقیقی اصول و طریق کار کے مفید عملی نمونے سامنے آسکتے ہیں۔

چنانچہ ذیل میں ان تین کتابوں کا ایک جائزہ منہاجِ تحقیق کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)

"سید حسن غزنوی" کا موضوع قلت مواد کا شکار تھا، اور گو کہ مواد کی تلاش میں ڈاکٹر صاحب قریب قریب پورے ہندوستان کے کتاب خانے دیکھ چکے تھے، اور بیرون ہند کے مخطوطات کے عکس بھی حاصل کرلیے تھے، مگر جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقدمے میں صراحت کی ہے، کلیات کو مرتب کرنا مناسب نہیں جانا۔ اپنے کام کو سید حسن غزنوی کے واقعات زندگی کی تحقیق اور کلام کے تجزیے اور اثرات کے جائزے تک محدود رکھا ہے۔

ہمارے اس مطالعے کی ابتداء، ڈاکٹر صاحب کے مقالۂ تحقیق کے اس ابتدائیے سے ہوتی ہے جو دیوان سید حسن غزنوی پر حسن کے شاگرد کے مقدمے سے متعلق ہے۔ شاگرد کا مقدمہ عمدہ معلومات اور داخلی شہادتوں کا حامل ہے جن سے مقالۂ تحقیق میں متعدد مقامات پر استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اول ڈاکٹر صاحب نے اس کے اہم تر اقتباسات پیش کیے ہیں اور پھر ان میں غور و تفحص کر کے ایسے نکات اخذ کیے ہیں جن سے خود شاگرد مقدمہ نگار، اور پھر شاعر حسن غزنوی، شاعر کی وفات، مجموعۂ اشعار کی تدوین اور دیوان کے علاوہ دوسری تصانیف کے امکان پر، اور شاعر کی وصیت کے مطابق ان امکانی تصانیف کو ایک ممدوح محمود خاں بن محمد بن بغرا خاں کے نام معنون کرنے اور شاعر حسن غزنوی کے شہید کیے جانے پر روشنی پڑتی ہے یا اشارات ملتے ہیں اس صراحت کے ساتھ کہ آگے چل کر ہم ان معلومات سے فائدہ اٹھائیں گے۔

اس کے بعد مقالہ تحقیق شاعر کے نام ، کنیت اور القاب کی تحقیق آتی ہے جس میں خود شاعر کے کلام کی داخلی شہادت کے علاوہ مرتب دیوان یعنی شاگرد کے مقدمے سے ، اور معاصر شعراء کے کلام سے استدلال کیا گیا ہے ، نیز تذکروں سے بھی مدد لی گئی ہے جن میں قریب العہد تصنیف راحت الصدور بھی آتی ہے ، اور بصراحت معاصر شہادتوں کو ترجیح دی ہے ۔ چنانچہ اس ذیل میں ایک جگہ یہ صراحت ہے :

> "حسن کے شاگرد کے علاوہ راحت الصدور اور جمال الدین محمد عبدالرزاق کی شہادت بھی وقیع سمجھی جائے گی ، کیونکہ یہ سب ایک ہی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں" ۔

ان معاصر یا قریب العہد شہادتوں کے بعد ، متأخرین کی شہادتیں بھی پیش کی گئی ہیں ، مگر صرف یہ دکھانے کے لیے کہ وہ متأخرین کس طرح گُل افشانیاں کرتے ہیں ، بالخصوص ہم نامی کی وجہ سے پیدا ہونے والے تسامحات و التباسات میں ۔

یہ ایک دل چسپ اور مضبوط بحث ہے اور ناموں میں التباس پر گرفت کا ایک اچھا طریقہ سامنے لاتی ہے ، جو یہ ہے :

اول وہ صراحت کرتے ہیں کہ شاعر کے والد کا نام شاگرد کے مقدمۂ مذکورہ میں اور راحت الصدور میں محمد ہے اور یہی صحیح مانا جائے گا ۔ لیکن غالباً سب سے پہلے محمد عوفی نے (لباب الالباب ج ۲ ، ص ۲۷) ناصر علوی لکھا ہے اور اسی کی تقلید میں ریاض الشعراء (ق ۹۶ ۔ الف) ، مخزن الغرائب (ج ۱ ، حبیب گنج) مجمع الفصحاء (ج ۱ ، ص ۱۹۲) ، ہفت اقلیم (ق ۱۱۹ ۔ ب ، رام پور) عرفات العاشقین (ق ۴ ۔ ب ، حبیب گنج) وغیرہ میں یہی نام پایا جاتا ہے ۔

لیکن یہ نام دراصل ایک اور شاعر شرف‌الدین محمد غزنوی کے والد کا تھا، جس کی مدح میں سنائی (م ۵۴۵ھ) نے قصیدہ کہا ہے (دیوان سنائی ق ۱۳۱ - ب تا ۱۳۴ - الف، بانکی پور) اس قصیدے پر صراحت موجود ہے کہ "یمدح العمید سید شرف‌الدین محمد بن ناصر العلوی"۔ مسعود سعد سلمان (م ۵۱۵ھ) نے بھی اس کی شاعری کی تعریف میں ایک قطعہ لکھا تھا۔

اس کے بعد اس غلطی کی ذمے داری کا تعین کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب صراحت کرتے ہیں کہ غلطی لباب‌الالباب اور ھفت اقلیم میں وارد ھوئی ہے کہ لباب الالباب میں تو اس شاعر کو ھمارے سید حسن کا بھائی کہا گیا ہے اور ھفت اقلیم میں مسعود سعد سلمان (م ۵۱۵ھ) کے اشعار جو سید حسن بن ناصر علوی کے مرثیے کے ھیں ھمارے شاعر سے متعلق کر دیے گئے ھیں، حالانکہ مسعود سعد سلمان (م ۵۱۵ھ) کا ایک شعر صاف ظاھر کر رھا ہے کہ وہ سید حسن (برادر سید محمد بن ناصر علوی) تقریباً تیس سال کی عمر میں اور مسعود سعد کی زندگی میں یعنی ۵۱۵ھ سے پہلے قضا کر گیا تھا۔ اور اس شہادت کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالتے ھیں کہ "ھمارا شاعر سید حسن (بن محمد الحسینی) جو اس عہد سے چالیس اکتالیس سال بعد تک زندہ رھا، یقیناً دوسرا شخص ہے اور محمد عوفی اور صاحب ھفت اقلیم کو محض ھمنام ھونے کی وجہ سے دھوکا ھوا ہے۔"

اسی طرح، ایک اور سید حسن کے نام کو بھی ڈاکٹر صاحب زیر بحث لاتے ھیں اور بتاتے ھیں کہ جامعہ عثمانیہ کے ایک مخطوطے (نمبر ۸۸۷) میں بھی ایک سید حسن کا کلام ملتا ہے۔ داخلی شہادتوں ھی کی بنا پر، ڈاکٹر صاحب اس سید حسن کو بھی دوسرا شخص

ثابت کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ بہت بعد میں ہوا ہوگا، کیونکہ اس کے ورق ۱۷۹ - ب میں غالباً شہاب الدین غوری کی مدح ہے:

ع "پاد شاہِ جہاں شہاب الدین"

اور شہاب الدین کے بھانجے الپ غازی (لباب: ج ۱، ص ۲۳۱) والی ہرات (المتوفی ۶۰۰ھ) کے صدر مہذب الدین (منصور بن علی اسفزاری؟) کی مدح بھی اس کے ورق ۱۲۹ - الف میں موجود ہے۔

شاعر کے وطن کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے کئی مختلف دلائل دیے ہیں جن میں تذکروں کی شہادت، شاگرد کی تصدیق، شہرتِ عام، اور خود شاعر کا کلام شامل ہے۔ وہ استدلال کرتے ہیں کہ:

(۱) سب تذکرے متفق ہیں کہ وہ غزنیں کا تھا۔

(۲) شاگرد کی تصدیق (مقدمہ) کے بعد کوئی شبہہ باقی نہیں رہ جاتا۔

(۳) اہل غزنیں تو اب بھی پورے آٹھ سو سال گزر جانے کے بعد اس پر فخر کرتے ہیں۔

(۴) خود شاعر نے ایک جگہ "امام برہان ابوالحسن علی بن ناصر غزنوی الملقب بہ بریان گر" (جس کے نام ایک منظوم خط حدیقۂ سنائی کے آخر میں ہے اور جو بغداد میں تھا) کی مدح میں غزنیں وطن کے متعلق اشارہ کیا ہے:

ع "منم کہ باز ہمایونِ آشیانِ تو ام"

شاعر سید حسن غزنوی کے سالِ ولادت کے متعلق سب تاریخیں اور تذکرے خاموش ہیں لیکن ایک داخلی شہادت کی بنا پر ڈاکٹر صاحب نے اس پر بھی قرینہ قائم کیا ہے۔ چنانچہ وہ صراحت

کرتے ہیں کہ اس کے کلام سے کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس نے ۵۰۰ھ میں فخرالملک مظفر بن نظام الملک کے قتل پر اس کے بیٹے نظام الملک صدرالدین محمد کے درجہ وزارت پانے پر قصیدہ لکھا تھا جس کے ایک شعر:

مراست ملک سخن مطلق و تو می دانی
اگر نہ دانی (تو)، داند همی خدای جهان

سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر پہلے بھی کافی شاعری کرچکا ہے، لیکن اس کے کلیات میں یہی اشعار قدیم ترین معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ اس قصیدے کے لکھنے کے وقت یعنی ۵۰۰ھ میں اس کی عمر کم از کم بیس سال کی تو ضرور ہوچکی ہوگی۔ اس لیے ایک موٹا حساب لگایا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ وہ ۴۸۰ھ تک ضرور پیدا ہوچکا ہوگا۔ اور احتیاطاً یہ بھی صراحت کرتے ہیں کہ بہرحال یہ محض گمان ہے، کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہے۔

اس کے بعد تعلیم و تعلم کی بحث آتی ہے۔ یہ بھی قلت مواد کا شکار ہے کہ تذکرے اس باب میں ساتھ نہیں دیتے۔ اس کو ڈاکٹر صاحب ایک حد تک تتمۂ صوان الحکمہ کے ایک حوالے سے حل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن غزنوی کے استاد محمد بن مسعود غزنوی تھے جو فلسفی، ادیب اور مہندس تھے۔ اور رائے ظاہر کرتے ہیں کہ چونکہ ہم کو حسن کا صرف کلیات ملتا ہے اور بقیہ تصانیف نہیں ملتیں، اس لیے ہم اسقدر اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں کہ اس نے اپنے استاد سے صرف ادب کی تعلیم حاصل کی، کیونکہ اس کے کلام میں فلسفہ یا دوسرے علوم کا کوئی عکس نظر نہیں آتا۔ اور یہ کیا کم ہے کہ اس کی تقلید میں بڑے بڑے شعراء (جمال الدین محمد عبدالرزاق م ۵۸۸ھ)، مجیر بیلقانی (م ۵۹۴ھ)، کمال اسمٰعیل (م ۶۲۸ھ)

شرف‌الدین شفروہ اصفہانی (م در حدود ۶۰۰ ھ)، شیخ آذری (م ۸۶۶ ھ) نے قصیدے لکھے۔

حسن کی عربی تحصیل پر ڈاکٹر صاحب دو دلیلیں لاتے ہیں، ایک یہ کہ اس کے شاگرد نے مقدمے میں لکھا ہے کہ عربی اشعار کا ایک الگ مجموعہ ہے؛ دوسرے یہ کہ فارسی کلیات میں عربی کے دو قصیدے (ملمّع محجوب) ملتے ہیں جن سے اس کا قدرت زبان اور آگاہی اسلوب کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

اس بحث کے آخر میں، ڈاکٹر صاحب مقدمے کے ایک فقرے سے استدلال کرتے ہوئے صراحت کرتے ہیں کہ: "ہمارا شاعر تحصیل علوم میں اطلبوا العلم من المہد الی اللحد پر عامل معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس کے شاگرد کے قول ظاہر ہوتا ہے کہ آن مخدوم در ایام خود از طلب دیگر علوم بجمع کردنِ سخنانِ خود نہ رسیدے۔ لیکن صرف اس اجمال سے علوم کی تفصیل پر کوئی روشنی نہیں پڑتی اور کلام سے بھی اس کے دوسرے کمالات کا پتا نہیں چلتا۔"

وہ اس ذیل میں ایک بالواسطہ دلیل بھی لاتے ہیں یعنی یہ کہ تلامذہ کی صلاحیت سے بھی استاد کی قابلیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ مقدمہ لکھنے والے شاگرد کی مرصع نثر سے جو مقدمے میں ملتی ہے شاگرد کی قابلیت کا اندازہ ہوسکتا ہے، اور بالواسطہ حسن قابلیت کا بھی، اور یہ کہ اس کے علاوہ حسن کا ایک شاگرد عماد زوزنی ہے جس کا شاگردِ حسن ہونا مجمع‌الفصحاء اور تذکرہ دولت شاہ سے معلوم ہوتا ہے۔ عماد اور اسکے زمانے کے بارے میں مزید معلومات پیش کرتے ہوئے روضۃ الصفا کا حوالہ بھی آتا ہے۔

یہاں تک کے جائزے سے بخوبی سامنے آجاتا ہے کہ ڈاکٹر

صاحب کا منہاج تحقیق بیش تر داخلی اور خارجی شہادتوں سے استدلال پر مبنی ہے۔

اب وہ واقعات زندگی کی تحقیق کی طرف آتے ہیں اور اس سلسلے میں حسن کے ۱۰۵ قصائد اور ایک دو بیتی کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ یہ تجزیہ صفحہ ۱۸ سے ۱۵۰ تک پھیلا ہوا ہے اور یہ تمام‌تر داخلی شہادتوں پر مبنی ہے۔ چنانچہ شروع ہی میں (صفحہ ۱۸ پر) ہمیں ڈاکٹر صاحب کی یہ صراحت ملتی ہے:

"حسن کے واقعات زندگی کے لیے تاریخیں اور تذکرے بہت کم ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ البتہ اس کے کلام سے بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اخذ معلومات کے لیے وہ حسن غزنوی کے حسب ذیل کلام کا تجزیہ پیش کرتے ہیں:

۱ - نسیم عدل همی آید از هوای جهان (قصیده)
۲ - شاها بر تخت به نشینے باید (دو بیتی)
۳ - بشگفت در بهار سعادت نهال ملک (قصیده)
۴ - مرا به وقت سحر دوش مژده داد نسیم (قصیده)
۵ - خاک را باد بوے مهربانی آمده ست (")
۶ - ای یافته از چهرهٔ تو حسن کمالے (")
۷ - هرگز بعد باز ببینم لقائے شاه (")
۸ - باد آتشبار چون از روئ دریا بر شود (")
۹ - یا رب جهان یگانۂ بهرام شاه وار (")
۱۰ - خاک را چاک زد اے دوست گیاه (")
۱۱ - زمانه دامن اقبال شهریار گرفت (")
۱۲ - چون ز غزنیں کردم آهنگ ره هندوستان (")

۱۳ - همایون رایت اعلیٰ همی رائے سفر دارد (قصیده)

۱۴ - می بنازد باز گوئی خطهٔ هندوستان (")

۱۵ - زہے رونق ملک از سرگفتہ (قصیده)

۱۶ - بہ اعتدال هوا عدل شاه بار شده ست (")

۱۷ - گہ دهد یار مرا از من بے دل خبرے (")

۱۸ - آراستند روضهٔ آرام‌گاه جان (قصیده)

۱۹ - این منم یارب کہ چرخم معی اختر می‌کند (")

۲۰ - جهان را شاه فرخ پی چنین باید چنین باید (")

۲۱ - در همہ عالم یکے محرم نہ ماند (ترجیع بند)

۲۲ - درّ دریاے کرم بو طاهر (ترجیع بند)

۲۳ - بر من ز نعمت‌الحق خاص خدایگان (قصیده)

۲۴ - زہے ز روی زمین برگزیده شاه ترا (")

۲۵ - چو عزم کردم سوی سفر برای صواب (")

۲۶ - توقیع خداوند جهان نقش ظفرباد (")

۲۷ - جانا حدیث عشق چہ گوئی کجا رسد (")

۲۸ - ای ذخر دین و دولت سلطان اهل بیت (")

۲۹ - چون شمع روز روشن از ایوان آسمان (")

۳۰ - آن دلبرے کہ خوبي بسیار یار اوست (ترکیب بند)

۳۱ - ای کہ تن را دل و دل را جاني (")

۳۲ - چشمهٔ نوش ست آن دهان کہ تو داری (قصیده)

۳۳ - گر بحر ست برخلاف قیاس (")

۳۴ - چشمم زغمت عقیق بار ست (")

۳۵ - اجل تاج دین قطعهٔ و رقعهٔ من (قطعہ)

۳۶ - امام عالم و برهان دین لسان‌الحق (قطعه)
۳۷ - ای که یزدان پادشاهت کرد بر ملک علوم (")
۳۸ - یارب منم که بخت مرا باز برکشید (قصیده)
۳۹ - خدای عز وجل با خدایگان آن کرد (")
۴۰ - اکنون که تر و تازه بخندید نو بهار (")
۴۱ - تا برسر ولایت خود آمده ست شاه (")
۴۲ - پیکری کو فتح و نصرت را بحق جان آمده ست (ترجیع بند)
۴۳ - عمر مرا هوای لهاوور بوده بود (قصیده)
۴۴ - امروز یکی خوش سخنی نزد من آمد (ترکیب بند)
۴۵ - طلوع خسرو سیارگان ز برج حمل (قصیده)
۴۶ - کاری به گزاف می گذارم (")
۴۷ - یارب چه سوز بود که اندر جهان فتاد (")
۴۸ - رخش برسه گلستان می نماید (")
۴۹ - صاحب صاحب نسبت مخدوم من (ترجیع بند)
۵۰ - به من بو بکر حیدر تازه تازه (قطعه)
۵۱ - ای چون مسیح گوهر تو جمله جان شده (مرثیه)
۵۲ - دلی که بال و پر از عشق آن پسر یابد (قصیده)
۵۳ - بیار باده که لبیک عشق یار زدیم (ترجیع بند)
۵۴ - ای دلت باخبر از مملکت عالم جان (مرثیه)
۵۵ - باز بر اوج سخن تازم و موجی بزنم (قصیده)
۵۶ - دانی که فلک به پیش تیغت ناید (دوبیتی/رباعی)
۵۷ - سزد گر جبرئیل آید برین فیروزه گون منبر (قصیده)
۵۸ - منت خدای را که به اقبال بادشاه (")
۵۹ - اندرین عید مبارک پی و فرخنده اثر (")

۶۰ - بزرگ جشن همایون به ماه فروردین (قصیده)
۶۱ - کشاد صورت دولت به شکر شاه دهان ("سوگند نامه") ۶
۶۲ - برآنم که امروز چون داد خواهی (قصیده "عفو تقصیر")
۶۳ - زهی رفیع محلت برون زحد قیاس (قصیده)
۶۴ - لبم زان پستهٔ خندان شکر یافت (")
۶۵ - چون دلم در خدمت آن سرو گلنار ایستد (") •
۶۶ - اے جان جهانیان برای تو فدا (دوبیتی/رباعی)
۶۷ - ناگاه چو بشنید شهنشه خبر شیر (قطعه)
۶۸ - ای شاها تو شیری فگندی که که (دوبیتی/رباعی)
۶۹ - این چه نقش ست که از مشک سیاه آوردی (قصیده)
۷۰ - ای یافته از چهرهٔ تو حسن کمالی (")
۷۱ - ای بخت بده مژده که برخاست به یک بار (")
۷۲ - خدای داند و بس تا چه خرم ست جهان (")
۷۳ - گرچه گردو برای ماه افلاک (قطعه)
۷۴ - ای بی خبر زنیک و بد کشت روزگار (مرثیه)
۷۵ - فرزانه حسین حسن احمد خاصه (ترجیع بند)
۷۶ - روزی نگر که طوطی جانم سوی لب است (ترجیع بند)
۷۷ - صفت گلستان رُخسارت (")
۷۸ - دوست کامی که درآفاق چنونست منم (")
۷۹ - ای ماه در هوای تو جانم به لب رسید (")
۸۰ - داند جهان که قرهٔ عین پیمبرم (قصیده فخریه) پ
۸۱ - جان می برد به عشرت حوران گلشنم (قصیده)
۸۲ - یارب این مائیم و این صدر رفیع مصطفا صه ست (نعتیه ترجیع بند یه روضهٔ نبی صه)

۸۳ - هرگز بود کہ باز ببینم لقای شاہ (یہ قصیدہ اوپر نمبر شمار پر
بھی مذکور ہے مگر اس لیے پھر تجزیے میں شامل ہے کہ
یہ حسن نے مکّے سے سنجر کو بھیجا تھا ، اور اس میں حسن
کے زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہونے کی شہادت ملتی ہے)
۸۴ - شاہ جہان گذشتہ و ما همچنین خموش (مرثیہ بطور ترجیع بند)
۸۵ - ماہ تمام ملک بہ زیر نقاب شد (" " ")
۸۶ - صبح ملک از مشرق اقبال سر برمی زند (تہنیت بطور ترجیع بند)
۸۷ - هر نسیمی کہ بمن بوی خراسان آرد (قصیدہ)
۸۸ - آخر دلم بہ آرزوی خویشتن رسید (")
۸۹ - چو دولت رفت بر تخت امارت (")
۹۰ - صبا دوش آمد و دادم بشارت (")
۹۱ - اے صبا طوف در گلستان کن (")
۹۲ - اکفی الکفات مشرق و مغرب رئوس دین (")
۹۳ - دیدم بخواب دوش براقی ز نور خان (")
۹۴ - ای مبارک تر عشقت ز سعادت بسیار (قصیدہ)
۹۵ - وقت آنست کہ مستان طرب از سرگیرند (")
۹۶ - فسانہ گشت بہ یک بار داستان کرم (")
۹۷ - ای گوهر مطہّر مردی و مردمی (")
۹۸ - جانم غریق نعمت شمس الملوک شد (قطعہ)
۹۹ - طلع الشمس علی النومان . . . (قصیدہ ملمع محجوب)
شاید ار داد ز گل بستانی . . .
۱۰۰ - الاهات حمراء کالهند ام . . . (")
می در غمی خور اگر در غمی . . .

۱۰۱ - یارب این بوی خوش سنبل و گل یاسمن است. (قصیدہ)

۱۰۲ - خدای عزّو جل داد بندہ را در سر (")

۱۰۳ - دل و جانم بہین دین دارد (")

۱۰۴ - از گریہ اگر یک دم سر بر کنمی من (")

۱۰۵ - شاہ شاہان جہان بر تخت سلطانی نشست (")

اس فہرست سے زیر تجزیہ کلام کی مقدار کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ داخلی شہادتوں کے ذریعے اس کلام کی مدد سے ڈاکٹر صاحب نے حسن غزنوی کے مخفی واقعات زندگی پر کس طرح روشنی ڈالی ہے اور حوالے کے لیے اوپر درج نمبر شمار کا سہارا لیتے ہیں۔

ان داخلی شہادتوں کے ذریعے حسن کی شاعری کی ابتدا (حوالی ۵۰۰ھ)، سنجر کے وزیر نظام الملک صدرالدین محمد سے وابستگی (۵۰۰ھ) سنجر کی فوج کی معیت میں غزنین میں آمد (۵۱۰ھ) بہرام شاہ کی تخت نشینی پر مدح (۵۱۰ھ)، حسن کی بدیہہ گوئی، حسن کی بہرام شاہ کے لشکر کے ساتھ ہندوستان میں آمد (۵۱۳ھ)، ہندوستان کے قیام میں حسن کی قصیدہ گوئی بالخصوص فتح قلعہ محمد ابو حلیم (۵۱۳ھ) کے موقع پر، پھر ہندوستان سے غزنین کو واپسی، خراسان کو روانگی اور مرو میں سنجر کے دربار میں رسائی، پھر اسی زمانے میں سنجر کے وزیر ابو طاہر سعد بن علی قمّی (۵۱۵ھ) سے تعلق، اس ممدوح کے انتقال کے بعد سنجر کے وزیر تغری طغان بیگ (عہد وزارت ۵۱۶ھ تا ۵۱۸ھ) اور اس کے بعد وزیر ابو القاسم الذر گزینی کی مدح (در سنہ ۵۲۶ھ) کا احوال مرتب کیا ہے۔ پھر حسن کی شاعرانہ زندگی میں ۵۳۵ھ تک ایک وقفہ ہے جس پر قرائن و شواہد

کی روشنی میں بحث ہے۔ ڈاکٹر صاحب صراحت کرتے ہیں کہ (۵۳۵ھ) کے قریب بلکہ چند سال بعد تک بھی غزنیں میں نہیں پایا جاتا۔

مگر اسی دوران (بقول ڈاکٹر صاحب، سنجر کی ۵۲۹ھ والی فتح کے موقع پر جب کہ اس نے بہرام شاہ کو دوبارہ تخت و تاج بخشا تھا) حسن نے قصیدۂ فتح (ع توقیع خداوند جہاں نقش ظفرباد) لکھا تھا جس کی داخلی شہادتوں کی مدد سے ڈاکٹر صاحب حسن کے واقعات زندگی کے ذیل میں یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس وقت شاعر غریب الوطن ہے۔ یعنی خراسان میں سنجر کے دربار میں وہ قصیدہ پیش کر رہا ہے۔ اور سنجر کے بارے میں یہ نادر معلومات بہم پہنچاتے ہیں کہ سنجر کی توقیع کا ذکر ہے جو "توکلت علی اللہ" تھی، اسکے "طغرای ہلالی" کا ذکر ہے، اس کے رایت کو "زلفین فتوح" کہا گیا ہے یعنی عباسی خلفاء کی تقلید میں سنجر کا رایت بھی سیاہ ہوگا۔ اور یہ کہ قصیدہ سنجر کی کسی فتح پر بھی دال ہے جو بہت ممکن ہے ۵۲۹ھ والی فتح ہو۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب حسن کے واقعات زندگی پر مزید معلومات داخلی شہادتوں کے ذریعے بہم پہنچاتے ہیں یعنی یہ کہ وہ اسی زمانے میں (حوالی ۵۳۶ھ) زید بن حسن اور شاہ بن حسن (شاید برادر زید بن حسن) کا مداح بھی رہا ہے۔ زید بن حسن کا زمانہ ۵۳۶ھ کے قریب تھا۔ زید بن حسن کی مدح والے قصیدے کے دو شعروں میں شاعر اپنی بھی "سیادت" کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔۱ شاہ بن حسن

۱- برنو عروس مدح تو بستم عزیز وار
پیرایۂ کہ از صدف مرتضیٰ رسد
در دست نام نیک تو دادم بزرگوار
نو بادۂ کہ از چمن مصطفیٰ رسد

کے قصیدے کے آخری شعر سے وہ استدلال کرتے ھیں شاعر کا تعلق بہت عرصے سے ھے اور وہ غائبانہ مدح کر رہا ھے اور یہ کہ دولت شاہ کی یہ اطلاع صحیح ھوگی کہ وہ (شاہ بن حسن) رے کا رئیس تھا۔

اس کے بعد وہ رے کے ایک اور رئیس مجدالدین ابوالحسن عمرانی سے حسن کا تعلق ثابت کرتے ھیں جس کے دو قصیدے اس ممدوح سے تعاق ھیں۔ اس ممدوح کا ذکر انوری کے کلام میں بھی آتا ھے۔ بہرحال یہ ممدوح (۵۴۰ھ) تک ضرور زندہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا قیاس ھے کہ اس ممدوح کی مدح میں حسن کے یہ دو قصیدے ۵۳۹ھ سے پہلے لکھے گئے ھوں گے کیوں کہ اس سال حسن نے غالباً اصفہان کے "صدر" علی ابن عثمان کی مدح میں قصیدہ لکھا تھا۔

اسکے بعد حسن کے ایک اور ممدوح کی اطلاع ملتی ھے یعنی عبدالصمد عباسی جس کی مدح میں ایک ھی قصیدہ ملتا ھے۔ شاعر نے ممدوح کو عباسی (ز گوھر عباس رضہ) کہا ھے اور خود کو بھی اس رشتے سے متعلق بتایا ھے (ع ز مقتضاے کرم حق ابن عم بشناس)۔ اس ممدوح سے متعلق مزید معلومات کے لیے ڈاکٹر صاحب جبلی کے ایک قصیدے کو بھي زیر بحث لاتے ھیں۔ اس کے بعد حسن کا تعلق اصفہان ھی کے ایک ممدوح علی بن عثمان سے قائم ھوتا ھے جس کا ذکر تاریخ بیہق (سال تکمیل ۵۶۳ھ) میں آتا ھے۔ اور یہ کہ ۵۳۹ھ میں وہ اصفہان میں ضرور رہا ھوگا۔

اسکے بعد بقول ڈاکٹر صاحب کے؛ حسن کا کلام دلالت کر رہا ھے کہ یہیں اصفہان سے وہ عازم بغداد ھو جاتا ھے اور مسعود بن محمد بن ملک شاہ کے وزیر تاج الدین ابو طالب بن وارست شیرازی (جو ابھی، ۵۴۰ھ میں بوزابہ کی وجہ سے وزیر مقرر ھوا تھا) کے توسط

سے مسعود تک پہنچنا چاہتا ہے جیسا کہ ایک قطعے سے ظاہر ہے۔ لیکن حسن کے کلیات میں کوئی قصیدہ اس قطعے کے ناموں (تاج‌الدین یا مسعود کی مدح میں نہیں ملتا گو کہ موخرالذکر کی وفات جو ۵۴۷ھ میں واقع ہوئی ایک مرثیہ ضرور ملتا ہے۔

حسن کے قیام بغداد کے حوالے ڈاکٹر صاحب نے امام برھان‌الدین ابوالحسن علی بن ناصر الملقب بہ برہان گر الغزنوی کی مدح میں کہے ہوئے دو قطعات حسن سے اخذ کیے ہیں۔ مثلاً ایک قطعے کا پانچواں شعر ظاہر کر رہا ہے کہ شاعر اپنے ممدوح سے دور رہا ہے۔ یعنی ممدوح ہی غزنین سے بغداد کو آگیا تھا۔ پندرھویں شعر میں خود کا غزنوی ہونا ظاہر کیا ہے: (ع منم کہ باز همایون آشیان تو ام)۔ سترھویں شعر میں "چار شاخش" سے مراد ممدوح کے چار بیٹے معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے قطعے کے اشعار بھی "غربت" میں لکھے گئے ہوں گے: (ع من درین غربت . . .)۔

حسن کی غزنیں کو واپسی کا حال ڈاکٹر صاحب نے اس قصیدے کی بنیاد پر اخذ کیا ہے: ع یا رب منم کہ بخت مرا باز برکشید (نمبر شمار ۳۸)، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان بہرام شاہ غزنوی نے شاعر کو غزنیں بلواکر نوازا ہے اور یہ کہ اس کے دسویں اور گیارھویں شعر میں غالباً سنجر کی ۵۳۰ھ والی فتح اور بہرام شاہ کی شکست کے متعلق اشارہ ہے۔ اسی ذیل میں ڈاکٹر صاحب اس امکان کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ سنجر اس موقعے پر بہرام شاہ کے بیٹے خسرو شاہ کو باج گذاری کی ضمانت کے لیے اپنے ساتھ لے گیا ہوگا کیونکہ ایک اور قصیدے (خدای عز و جل با خدایگان آن کرد) میں جو خسرو شاہ کی واپسی پر لکھا گیا

تھا، کچھ اسی قسم طرح کا مضمون ہے۔ اس طرح ایک کلام کے داخلی شواہد سے مربوط کرنے کی ایک عمدہ مثال سامنے آتی ہے۔

اس قصیدے (خدای عزّ و جل . . .) کے بعض اشعار اور خصوصاً اس مصرع سے کہ ع ”خلعل وار شد و نصرت خراسان کرد“ سے وہ بعض تاریخی امور کی طرف اشارات کشید کرتے ہیں، اول یہ کہ خسرو شاہ ضرور سنجر کے یہاں رہا ہوگا اور یہ کہ ”نصرتِ خراسان“ کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ اس نے خراسان کو فتح کیا تھا بلکہ وہاں رہ کر ”حوالت بفضل یزدان“ اپنا اسیری کا زمانہ گزارا ہوگا اور مزید یہ کہ بہت ممکن ہے کہ اسی سلسلے میں آداب‌الحرب بھی سیکھے ہوں۔

قصیدے کے داخلی شواہد کی بنا پر زمانے کی تعئین اور معلومات کی تحصیل کی ایک عمدہ مثال حسن غزنوی کے قصیدے ”اکنون کہ تر و تازہ بخندید نو بہار“ کے تجزیے میں ملتی ہے جس میں ڈاکٹر صاحب صراحت کرتے ہیں کہ حسن کی غزنیں کو مراجعت کے اوائل ہی کا یہ قصیدہ بھی معلوم ہوتا ہے جب کہ ”نو بہار“ کا زمانہ ہے اور وہ نو بہار ۵۴۰ھ کے پہلے کی نہیں ہو سکتی کیونکہ ۵۳۹ھ کی بہار کے وقت وہ علی ابن عثمان کی مدح کر رہا تھا اور ۵۴۰ھ میں تاج‌الدین ابو طالب سے وابستہ تھا۔ نیز یہ کہ اس قصیدے کے بعض اشعار واضح کرتے ہیں کہ شاعر چونکہ ایک عرصے کے بعد غزنیں واپس آیا ہے۔ اس لیے اس کی پچھلی عنایتوں کا ذکر کرتا ہے اور پھر اپنی شاعری کی تعریف کرتا ہے، گویا اپنے تعارف کی تجدید چاہتا ہے، اور یہ کہ اس زمانے میں شاعر نے اس زمانے کے ابو نصر محمد اور پھر ابو علی حسن کی وزارت کے موقع پر قصیدے لکھنے کے علاوہ بہرام شاہ اور اس کے بیٹوں

کے متعلق قصیدے لکھے ھیں جن میں سے ایک بہرام شاہ کے بیٹے دولت شاہ (متوفی ۵۳۵ھ) کے متعلق ھے جو ھندوستان کی ایالت پر فائز تھا (تاہر سرِ ولایت خود آمدہ ست شاہ)۔ ڈاکٹر صاحب اس کے بعض اشعار سے استدلال کرتے ھیں کہ شاعر دور سے (غزنین سے؟) یہ قصیدہ دولت شاہ کو بھیج رہا ھے۔ اسی دوری کے مضمون کا سراغ، بطور تائید وہ ایک ترکیب بند (پیکری کو فتح و نصرت را بحق جان آمدہ ست) کے دو بندوں میں بھی لگاتے ھیں۔

اسی ذیل میں وہ قصائد و ترجیع بند بھی ھیں جن سے شاعر کی غزنین کو مراجعت کے بعد کے وزراء و امراء و عمائد سے متعلق معلومات اخذ کی گئی ھیں۔ یعنی ھماری فہرست مذکورہ کے نمبر شمار ۳۳ تا ۳۵ تک کے کلام کا تجزیہ کرکے ابو نصر منصور قاینی والیٔ لاھور، ابو نصر محمد وزیر، ابو علی حسن ابن احمد وزیر، ابوبکر ابن حیدر کرمانی، احمد ابن عمر خازن؛ جمال الدین ابو نصر احمد صدر الاسلام قاضی القضاۃ کے حالات سے متعلق داخلی شواھد کی نشاندھی کی گئی ھے اور حسب موقع تعئین سنون پر بھی توجہ کی ھے۔ اور اس سلسلے کی بعض بحثوں میں دیگر قدیم مآخذ سے بھی مدد لی ھے اور زمانے کے فرق کو عمدہ طور پر سامنے رکھا ھے۔ چنانچہ حدیقۂ سنائی سے معلوم ھوتا ھے کہ بہرام شاہ کا نائب دستور ابو نصر محمد اور ابو نصر منصور اس کا وزیر تھا جبکہ سید حسن کا مدحیہ کلام مقدم الذکر کو وزیر اور موخرالذکر کو لاھور کا والی بتاتا ھے۔ ڈاکٹر صاحب تطبیق کرتے ھیں کہ حدیقۂ سنائی کی تالیف کے وقت (۵۲۴ھ) ابو نصر محمد نائب دستور اور ابو نصر منصور وزیر تھا، مگر سید حسن کا یہ کلام اس وقت کا ھے جب کہ ابو نصر محمد وزیر اور ابو نصر منصور والیٔ لاھور تھا۔

اس کے بعد حسن غزنوی کے قصیدے سے جو علاءالدین حسن جہاں سوز کی مدح میں ہے، شاعر کے غوری دربار سے مختصر تعلق پر روشنی ڈالتے ہیں جبکہ غزنیں پر سوری قابض ہوگیا تھا اور بہرام شاہ مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب صراحت کرتے ہیں کہ اس قصیدے کے ایک شعر میں شاعر صاف کہہ رہا ہے کہ ممدوح کے لشکر نے اسے ماخوذ کرکے یہاں پیش کیا ہے، اور اب وہ اس دربار سے وابستہ ہوکر مدح سرائی کر رہا ہے، اور چونکہ ممدوح خود شاعر تھا اس بنا پر ڈاکٹر صاحب قیاس کرتے ہیں کہ اس نے شاعر حسن کی کافی قدر کی ہوگی۔ اسی قصیدے میں علاءالدین حسن کے لیے ایک نام "حسن اصل" کا آتا ہے جس کی توجیہ ڈاکٹر صاحب یہ کرتے ہیں کہ اس کا دادا (حسین بن حسین بن حسن) حسن تھا۔

ایک بار پھر بہرام شاہ غزنیں پر قبضہ حاصل کر لیتا ہے اور بہرام شاہی دربار کو حسن غزنوی کی مراجعت ہوتی ہے۔ اس دور کے کلام سے استدلال کر کے ڈاکٹر صاحب نے عمدہ تاریخی معلومات پیش کی ہیں، جو تحقیقی مقالے میں اجمالاً اور کتاب تاریخ بہرام شاہ (انگریزی) میں تفصیلاً ملتی ہیں، اور منہاجِ تحقیق وہی داخلی شہادتوں کی جمع و ترتیب ہے۔

اسی سلسلے کے وہ داخلی شواہد بھی ہیں جن میں غوری دربار سے شاعر کی وابستگی اور مدحت پر بہرام شاہ کی کدورت اور شاعر کی معذرت کی تحقیق سے متعلق ہیں اور ہماری فہرست مذکورہ بالا کے نمبر شمار ۵۸ تا ۶۴ پر درج شدہ کلام کے تجزیے پر مبنی ہیں۔

اس کے بعد اس کلام کا تجزیہ آتا ہے جو خاص خاص موقعوں پر کہا گیا ہے اور بہرام شاہ سے متعلق ہے۔ پھر اس کلام کا جو بہرام شاہ کے بیٹوں کی مدح میں ہے مگر اس حصے میں داخلی شواھد کمی کے ساتھ ملے ھیں۔ البتہ بہرام شاہ کے بیٹے شہنشاہ کی مدح کے قصیدے (خدای داند و بس تاچہ خرم مت جہاں) میں کچھ زیادہ اشارات ملے ھیں۔ اس میں بہرام شاہ کی مدح بھی ہے، غزنیں کی مرفہ حالی کا تذکرہ بھی اور یہ کہ چھوٹا بیٹا شہنشاہ کسی اختلاف کی وجہ سے (بحوالہ شعر ۱۳) غزنیں سے (۱۲، ۱۷، ۱۸) کسی کو شکہ کی طرف چلا گیا تھا لیکن اس کی یہ دوری (۱۳، ۱۵، ۱۶، ۲۲) ایسی نہیں کہ وہ اپنے والد کے فیض سے محروم رہ سکے۔ دقت نظر کے ساتھ کلام کا تجزیہ کرنے کی یہ ایک قابل تقلید مثال ہے۔

پھر قطعہ و مرثیہ و ترجیعات و قصیدہ نمبر شمار ۷۳ تا ۹۷ کا تجزیہ ہے جو نجیب‌الدولہ یا نجیب‌الدین کی مدح میں ھیں۔ اس تجزیے سے سوری کی معیت کی وجہ سے شاعر کی محرومی کے ذکر کے علاوہ نجیب الدولہ کا حال معلوم ھوتا ہے۔ نجیب الدولہ کے باپ ابوعلی حسن کا ماتم غزنیں میں بہت ھونے کی طرف، "جگر گوشگانِ تو" سے نجیب الدولہ کے دوسرے کئی بھائی ھونے کی طرف اشارے اخذ کرنے کے علاوہ ڈاکٹر صاحب اس کلام (ای بی خبر ز نیک و بد کشت روزگار) کے زمانے کی تعین پر بھی استدلال کرتے ھیں یعنی یہ کہ ایک شعر کا قافیہ "نوبہار" ہے تو وہ زمانہ ۵۴۴ھ کے پہلے کا نہیں ھو سکتا کیوں کہ یہ ابوعلی حسن جیسا کہ ھم (ڈاکٹر صاحب) دیکھ چکے ھیں اس سال کے محرم تک ضرور زندہ تھا۔ مزید یہ کہ ایک ترجیع بند میں نجیب الدولہ کا نام و نسب صاف طور پر آیا ہے۔ اس کا خطاب

نجیب‌الدین اور نجیب‌الملک کلام میں کئی جگہ ملتا ہے، اور کہیں تاج‌الدولہ بھی۔ ایک تہنیتی ترجیع بند کے داخلی شواہد سے اسی نجیب‌الدولہ (حسین ابن حسن) کی وزارت کی تاریخ معلوم کی ہے۔ چنانچہ اس شعر کے پیش نظر کہ:

درشد بہ تہنیت کہ درین موسم شریف
جشن عجم مقارن عہد عرب رسید

نتیجہ نکالا ہے کہ وہ زمانہ "جشن عجم" اور "مقارنِ عیدِ عرب" کا ہوگا۔ یعنی ۵۴۴ھ کی "عید نو روز" اور عید (الاضحیٰ) کے قریب کا ہوگا۔ کیونکہ اس عہد میں یہی دو عیدیں پڑ سکتی تھیں اور پھر تو ہمارا شاعر ۵۴۵ھ میں عازم بیت‌اللہ ہو جاتا ہے۔

۵۴۵ھ میں حسن غزنوی عازم حجاز ہوتا ہے (اس کے سبب کی نشان دہی ڈاکٹر صاحب نے کئی تذکروں کے خارجی شواہد میں کی ہے جن میں آتا ہے کہ حسن اپنے وطن غزنین میں وعظ و نصیحت کرنے میں مشغول تھا؛ ہزاروں لوگ اسکے مرید ہو چکے تھے اور اس کی مجالس وعظ میں آتے تھے جس کی وجہ سلطان بہرام شاہ شاعر کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ہراساں ہوا)۔" حج کے لیے روانگی اور "عراق میں آمد" کے عنوانات کے تحت حسن کے ترجیع بند (یارب این مائیم و این صدر رفیع مصطفاست) قصیدہ (ہرگز بود کہ باز ببینم لقای شاہ) ترجیع بند (شاہ جہاں گذشتہ و ما همچنیں خموش) ترجیع بند (ماہِ تمام ملک بہ زیرِ نقاب شد) ترجیع بند (صبح ملک از مشرقِ اقبال سربوی زند) قصیدہ (ہر نسیمی کہ بمن بوی خراسان آرد) کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے حسن کی زندگی کے کئی مخفی گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور اس سلسلے

کی معلومات کو راحت الصدور کی معلومات سے ملا کر دیکھا ہے۔ نیز چند ضمنی فوائد بھی حاصل کیے ہیں، مثلاً حسن غزنوی کے ایک ترجیع بند (نمبر شمار ۸۲ : یارب این ماتیم۔۔۔) کا مرجع سلموا یا قوم بل صلوا علی الصدر الامین۔ مصطفیٰ ماجاء الا رحمة للعالمین) جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے تشریح کی ہے کہ مولانائے روم نے اسے سنائی کا سمجھ لیا ہے (کلیات شمس تبریز۔ صفحہ ۶۳۶ - طبع لکھنؤ ۱۳۰۲ھ : ای سنائی رَو مدد خواہ از روان مصطفیٰ۔ مصطفیٰ ماجاء الا رحمة للعالمین)۔ یا مثلاً قیام عراق کے دوران، بغداد سے سنجر کی مدح میں قصیدہ وہ خراسان (نیشا پور) کو بھیجتا ہے اس سے مستفاد ہے کہ وہ اب تک کافی معمر ہو چکا تھا۔

اس کے بعد شاعر خراسان کی طرف روانہ ہوتا ہے مگر اسی زمانے میں بہرام شاہ، ۵۴۷ھ میں سنجر اور علاءالدین جہاں سوز سے جنگ کے بعد موخرالذکر کو قید اور غزنوں پر پھر قبضہ حاصل کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب حسن کے اس قصیدے: آخر دلم بہ آرزوی خویشتین رسید کو داخلی شواھد کی بنا پر اسی زمانے کا ٹھہراتے ہیں، اور "وآن گل کہ رفت سالی نزد چمن رسید" کی بنیاد پر لکھتے ہیں کہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بہرام شاہ کم از کم ایک سال باہر رہا ہے، تب کہیں خوشی حاصل ہوئی ہے۔

حسن کے قیام خراسان کے حالات۔ ڈاکٹر صاحب نے مرو کے ایک امیر جمال الدین محمد کی مدح کے ایک قصیدے (چو دولت رفت بر تخت امارت)، اسکی توسیع (آغاز مطلع ثانی : صبا دوش آمد و دادم بشارت) اور ایک اور قصیدے (اے صبا طوف در گلستان کن) سے اخذ کیے ہیں۔ نیز اسی زمانے کے ایک اور قصیدے سے بھی جو ایک ممدوح "رئیس دین" کی مدح میں ہے جو شاعر کے ساتھ حج میں تھا (اکفی الکفات مشرق

و مغرب رئیس دین)۔ ان ممدوحین کی مدح کے زمانے کی تعئین بھی عمدہ طور پر ہے۔ اسکے بعد ایک اور ممدوح اتسز (م ۵۵٦ھ) کی مدح کے قصیدے (دیدم بخواب دوش براقی ز نورخان) کی بنیاد پر ڈاکٹر صاحب نیتجہ نکالتے ہیں کہ ترکوں کے فتنے اور خراسان کی بدحالی کی وجہ سے ہمارا شاعر مرو سے خوارزم کو نکل جاتا ہے اور وہاں اتسز کی مدح کرتا ہے۔ اس کے زمانے کی تعئین میں ڈاکٹر صاحب نے بعض دوسرے متعلق قصیدوں سے بھی مدد لی ہے جو حسن نے خوارزم میں لکھے تھے اور دیگر ممدوحین کی مدح میں تھے۔

سنجر کی وفات (۵۵۲ھ) پر محمود خان دو بارہ تخت نشین ہوتا ہے تو حسن اس کی مدح میں ایک طویل قصیدہ (وقت آنست کہ مستان طرب از سر گیرند) لکھتا ہے۔ اس قصیدے کے اشعار کو دقت نظر کے ساتھ دیکھا ہے اور بہت سے مفید نکات اخذ کیے ہیں جو تہنیت، خطبہ خوانی، تخت نشینی، اپنی عربی دانی، سلجوقی سفید تاج اور سیاہ چتر" کی حسن تعلیل، محمود خان کے والد محمد کے متعلق ذکر پر مبنی ہیں۔ آخرالذکر محمد خان کے متعلق ڈاکٹر صاحب یہ صراحت بھی کرتے ہیں کہ وہ اس عہد تک زندہ تھا اور یہ بات ہم کو پہلی بار یہیں سے معلوم ہوتی ہے۔ محمود خان کے ذیل میں دوسروے قصیدوں کی مدد سے بھی بہت کچھ داد تحقیق دی ہے جن میں دو قصیدے ملمع محجوب بھی ہیں جو نہ صرف حسن کی عربی دانی پر دال ہیں بلکہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ممدوح بھی عربی قصیدوں کی قدر جانتا ہوگا۔ اسی طرح محمود خان کے دو وزیروں خالد مالکی اور قوام الدین کی مدح کے قصیدوں ہیں بھی نادر اطلاعات کی نشان دہی کی گئی ہے۔

اسکے بعد حسن غزنوی پھر عراق (اورھمدان) کی طرف متوجہ ھوتا ھے۔ اور سلیمان سلجوقی کے دو امیروں یمین الدین امیربار اور رشید جامہ دار کی مدح ایک ھی قصیدے میں کرتا ھے (دل و جانم یمین دین دارد)۔ ڈاکٹر صاحب صراحت کرتے ھیں کہ اس قصیدے میں رشید کو صفی الدین، تاج الدولہ اور ابن مسعود کہا ھے اور یہ اطلاع ھم کو سب سے پہلے یہیں سے ملتی ھے، جبکہ یمین کے متعلق حسن کے ایک اور قصیدے (ازگریہ اگر یک دم سر برکنمی من) میں اس کو"صدر" کہا ھے۔ رشید جامہ دار کے حال میں ضمناً ایک اضافہ ڈاکٹر صاحب محمد بن ابراھیم کی تواریخ آل سلجوقی سے بھی کیا ھے جس سے ظاھر ھو رھا ھے کہ مناسب مواقع پر وہ داخلی شہادتوں سے حاصل شدہ معلومات کے ساتھ خارجی شواھد سے حاصل شدہ معلومات کو بھی سامنے لاتے ھیں۔

اس سلسلۂ حالات کی آخری بحث شاعر کی وفات اور غزنین میں مزار کے متعلق ھے۔ ظاھر ھے کہ بحث خود حسن کے کلام کی داخلی شہادتوں سے تو حل ھونے کی نہیں۔ اس کو وہ اول دولت شاہ کے تذکرے کی مدد سے زیر بحث لاتے ھیں۔ بعد کے مختلف تذکروں میں اسی کی نقل ھے۔ دولت شاہ کی عبارت کے تجزیے سے اول وہ امور تنقیح طلب متعین کرتے ھیں اور صراحت کرتے ھیں اس عبارت سے تین باتیں معلوم ھوتی ھیں:

۱ - یہ کہ سلطان مسعود سلجوقی نے انعام و اکرام کے ساتھ شاعر کو غزنین کی طرف روانہ کیا تھا۔

۲ - یہ کہ سلطان مسعود کے عہد کی روایت سے شاعر کے انتقال کا سال ۵۳۵ھ بتایا گیا ھے۔

۳ - یہ کہ شاعر جب جوین کے قصبہ آزادوار پہنچا تو اسے مرگِ مفاجات سے دو چار ہونا پڑا۔

پھر ان امور پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ پہلی بات تو اس طرح غلط ثابت ہوجاتی ہے کہ شاعر نے سلطان مسعود کے انتقال پر مرثیہ لکھا تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اس کی زندگی میں وہ روانہ نہیں ہؤا ہوگا۔ اور اسی لیے اس کے انتقال کا سال ۵۳۵ھ بھی غلط ہے کیونکہ وہ تو کم از کم ۵۵۵ھ تک زندہ تھاجب کہ اس نے سلطان سلیمان سلجوقی کی تخت نشنی پر قصیدہ لکھا تھا۔ اب صرف تیری بات رھی یعنی اس کا قصبہ آزادوار میں وفات پانا تو یہ ممکن ہے اور اس سلسلے میں ہم کو پھر شاعر کے شاگرد کے اس کے مقدمے کو دیکھنا چاہیے۔ اس کے بعد وہ مقدمے کی متعلقہ عبارت اور اس کا تجزیہ پیش کرکے اخذ نتائج کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ حمداللہ مستوفی کی نزھۃ القلوب، روضۃ الصفا اور راحت الصدور کے حوالے بھی زیر بحث لاتے ہیں اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شاعر ۵۵۵ھ تک ضرور زندہ تھا (سلطان سلیمان سلجوقی کی تخت نشینی پر یعنی ۱۲ ربیع الاول ۵۵۵ھ میں، سید حسن غزنوی نے قصیدہ تہنیت پڑھا تھا) لیکن ۵۵۷ھ کے پہلے انتقال کر چکا تھا (شاگرد نے شاعر کی وفات کے ذیل میں محمود خان کو خلداللہ ملکہ کے دعائیہ فقروں سے یاد کیا ہے جسکی حکومت زیادہ سے زیادہ ۵۵۷ھ تک رھی) اپنے ان نتائج کی روشنی میں وہ صراحت کرتے ہیں کہ مجمع الفصحا، مرآۃ الخیال، آتشکدہ، یدبیضا میں حسن کی وفات کا سال ۵۶۵ھ ہے جو اغلب ہے کہ ۵۵۶ھ سے بدل گیا ہو۔ بہرحال ۵۵۶ھ ضرور ہوگا۔

یہ تنقیحات اور استدلالات ڈاکٹر صاحب کے منہاجِ تحقیق کے عمدہ طور پر آئینہ دار ہیں۔

غزنیں میں حسن کے مزار کے ذیل میں، حسن کے مشکوک کلام کا ذکر بھی آگیا ہے۔ کم و بیش چودہ غزلیں ایسی ہیں جو کسی پیش نظر نسخے میں نہیں لیکن افغانستان کے لوگ عقیدت کی بنا پر انہیں حسن غزنوی سے منسوب کرتے ہیں کیونکہ ان غزلوں کے لفظوں میں تخلص حسن آیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ وہ کسی بعد والے حسن کی ہوں گی کیوں کہ:

- ہر غزل کے مقطع میں التزاماً حسن تخلص موجود ہے جیسا کہ اس عہد میں عموماً نہیں تھا۔
- دوسرے یہ کہ زبان بھی بعد کی معلوم ہوتی ہے۔
- اِن میں سے بعض غزلیں جن کا قافیہ تک ٹھیک نہیں اور جن پر یہاں بحث کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے، ایسے بڑے شاعر سے منسوب کی جاتی ہیں جس کی سند لغات میں لی جاتی ہے، جسکی تقلید بڑے بڑے شعراءؔ نے کی ہے اور جس کی خود اُس کے عہد میں مختلف اہلِ کمال نے قدر کی تھی۔

یہ وہی منہاجِ تحقیق ہے جسے شیرانی نے مشکوک کلام کے بارے میں اختیار کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کا بھی پسندیدہ طریقہ ہے جو ان کے دوسرے مقالاتِ تحقیق میں برتا گیا ہے۔

حالات زندگی کے بعد اب ڈاکٹر صاحب ہندوستان سے حسن کے تعلق کی تحقیق کی طرف دو جہتوں سے متوجہ ہوتے ہیں، ایک تو حسن کے کلام میں ہندوستانی الفاظ اور یہ میدان دیگر قدیم فارسی شعراء کے حوالے سے بھی ڈاکٹر صاحب کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے، دوسرے

حسن کے کچھ ہندوستانی کلام کی ہندوستان میں مقبولیت۔ تحقیق الفاظ کے ذیل میں وہ بیلک (ہندوستانی تیر)، چندن (صندل)، فوارہ (ہندوستانی پھوارکا مفرس؟)، قرنفل (کرن پھول) کی نشان دھی حسن کے کلام میں کرتے ھیں۔ کلام کی ہندوستان میں مقبولیت کے ذیل میں صرف دو ھی اشعار کی نشان دھی کی ھے۔

"حسن کی اپنے زمانے میں قدر" کے ذیل میں بھی ڈاکٹر صاحب نے بہت کچھ داد تحقیق دی ھے۔ چنانچہ وہ صراحت کرتے ھیں کہ (۱) امکاناً بہرام شاہ کے ایک سکے پر حسن کا شعر (۲) سنائی کے "کارنامۂ بلخ" میں حسن کے متعلق اشعار (۳) "ایک صاعد" ابوبکر بن حیدر کرمانی کا قطعہ جو حسن کے قصیدۂ مدحیہ کے جواب میں تھا (۴) خالد مالکی کے متعلق حسن کے قصیدے کی داخلی شہادت جس سے اندازہ ھوتا ھے کہ خالد مالکی نے بھی حسن کی مدح میں اشعار لکھے ھوں گے جو دستیاب نہیں (۵) روحانی غزنوی کے طویل "سو گند نامے" میں اپنے عہد کے بعض شاعروں کا تذکرہ جن میں سید حسن غزنوی کا ذکر ھے اور جو ظاھر کر رھے ھیں کہ حسن کے کلام کی شہرت مرغینان و کاشان و ماوراءالنہر تک پھیلی ھوئی تھی جہاں کہ بیغو ملک تھا (۶) دیوان حسن کے مقدمے میں شاگرد کے توصیفانہ کلمات اور قریب العہد مؤلف راحت الصدور کا شاعر کو بار بار یاد کرنا یہ سب شواھد ظاھر کرتے ھیں کہ شاعر کی اپنے زمانے میں کافی قدر تھی۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مقالۂ تحقیق میں دو ایسے عنوانات آتے ھیں جو بنیادی طور پر تنقیدی نوعیت کے ھیں (۱) "دوسرے شعراء کی تقلید" یعنی حسن نے دوسرے شعراء کی تقلید میں جو کچھ لکھا ھے، اس کا تذکرہ صفحہ ۱۶۴ سے ۱۸۵ ھے دوسرا

عنوان "سید حسن کی تقلید" ہے، یعنی ایسے شعراء کا تذکرہ جنھوں نے حسن کی تقلید کی ہے۔ یہ صفحہ ۱۸۶ سے ۲۰۷ تک پھیلا ہوا ہے۔ ان تنقیدات میں کچھ تحقیق بھی شامل ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر تو ایک محقق ہی ہیں۔

اس کے بعد صفحہ ۲۰۸ سے ۲۱۳ تک سید حسن کے حوالے سے پروفیسر عبدالغنی کی کتاب The Pre-Mughal Persian in Hindustan پر تعقبات ہیں جو اس کتاب پر شیرانی کے مفصل تبصرے (مشمولہ رسالہ اردو بابت جنوری ۱۹۴۳ء) کے بعد سامنے آئے ہیں، ڈاکٹر صاحب کی اس صراحت کے ساتھ کہ میں یہاں کچھ ان باتوں پر زیادہ تفصیل سے بحث کرنا چاہتا ہوں جو سید حسن کے متعلق ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے عمدہ طور پر تسامحات کی گرفت کی ہے جس میں ان کا اندازِ تحقیق وہی رہا ہے جو اس وقت کے دوسرے بلند پایہ فضلاء و محققین کا رہا ہے۔

آخر میں قصیدہ و قطعات و رباعی کی ابتداء اور حسن کے حوالے سے کچھ تصریحات ہیں اور شاعر کی اپنے متعلق رائے ہے جو راحت الصدور کے حوالے سے درج کی گئی ہے اور ساتھ ہی اقتباس کا محققانہ تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔

اس جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اپنے اس مقالۂ تحقیق میں ڈاکٹر صاحب نے اسی پسندیدہ منہاجِ تحقیق کو کامیابی کے ساتھ اپنایا ہے جس پر ہمارے اس وقت کے بہترین فضلاء و محققین کار بند رہے ہیں جن میں شیرانی اور مولوی محمد شفیع سر فہرست ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ علمی کارنامہ اپنی مضبوط منہاجِ تحقیق کے لحاظ سے ہمارے طالبان تحقیق کے لیے ایک روشن مثال ہے۔